(غلام گردش)

پاکستان میں کرونا آیا ہی نہیں ہے؟

19 ستمبر 1918 کو فلیڈلفیا کی بندرگاہ پر ایک جنگی بحری جہاز رُکا۔اس میں امریکی فوجی، نیوی کے افسران اوراَن گنت عملہ وطن واپس لوٹ رہا تھا۔پہلی جنگِ عظیم زوروں پر تھی۔امریکہ پوری دنیا میں ایک سُپر پاور کے طور پر قدم جما چکا تھا۔فلیڈلفیا اس جنگ کیلئے اسلیے بھی حد درجہ اہم تھا کہ یہاں بحری بیڑے بنانے کی کامیاب ترین صنعت موجود تھی۔لوہے کے کارخانے، بھاری مشینری بنانے کی فیکٹریاں اور بہت جدید بحری جہاز بنانے کے محیرالعقول شپ یارڈ کامیابی سے کام کررہے تھے۔اسکے علاوہ،اس شہر سے ہزاروں نوجوان امریکی نیوی میں کام کررہے تھے۔پہلی جنگِ عظیم میں امریکہ کا پلڑہ اگر بھاری تھا تو اس میں فلیڈ فیا کا بہت زیادہ عمل دخل تھا۔19 ستمبر کو اپنے گھروں کو جانے والے لوگوں کیلئے پورا شہر چشمِ براہ تھا۔ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔کسی کو علم نہیں تھا کہ بیرونی ممالک سے ڈیوٹی کرنے والے لوگ ایک نظر نہ آنے والے خوفناک وائرس کو ساتھ لیکر آئے ہیں۔جس سے سپینش فلو(Spanish Flu) جیسی بلا ہر طرف موت کا کھیل کھیلنے میں کامیاب ہو جائیگی۔صرف تین دنوں میں ڈاکٹروں کے پاس، پردیس پلٹ بیمار لوگ آنے لگے۔یہ تمام سپینش فلو میں مبتلا ہو چکے تھے۔جہاز سے اُترنے کے بعد چند دنوں میں چھ سو لوگ اس مہلک مرض کا شکار ہو چکے تھے۔موت فلیڈلفیا کے ہر گھر پر خاموشی سے دستک دے رہی تھی۔مگر لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ معمولی سا جرثومہ، بھلا ہمارا کیا بگاڑ لیگا۔ہم پوری دنیا کے فاتح ہیں۔اس فلو سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔مگر یہ تمام اندازے مکمل طور پر غلط ثابت ہوئے۔

چند مقامی ڈاکٹر،اس وباء سے اَز حد پریشان تھے۔انہی میں ڈاکٹر ٹونی ریڈ Dr. Tony Read بھی تھا۔اس نے تحقیق سے ثابت کیا کہ لوگوں کو آپس میں بھرپور سماجی فاصلہ رکھنا چاہیے۔اسکے علاوہ کسی قسم کے اجتماع نہیں ہونے چاہییں۔مگر ڈاکٹر ٹونی ریڈ کی بات لوگوں کے عمومی مزاج کے خلاف تھی۔لوگ جنگ کی کامیابی سے سرشار تھے۔جذبہ حب الوطنی بام عروج پر تھا۔کسی نے بھی ڈاکٹروں کی باتوں کو سنجیدہ نہیں لیا۔28 ستمبر کو اس شہر نے ایک عظیم الشان عوامی پریڈ کا اہتمام کیا۔اسکا نام لبرٹی لون پریڈ تھا۔دو لاکھ شہری، امریکی جھنڈے لہراتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔سینکڑوں میوزک بینڈ شاہراؤں پر دھنیں بکھیرنے لگے۔اَن گنت سکاؤٹ اور پرانے فوجی، یونیفارم پہن کر سڑکوں پر سلامی دینے لگے۔بچیوں نے جتھوں کے اندر، سڑکوں پر رقص کرنا شروع کر دیا۔سینکڑوں سجے ہوئے فلوٹ شہر کے مختلف حصوں میں چکر لگانے لگے۔غرضیکہ ایک جشن کا سماں تھا۔رنگ، موسیقی، ناچ گانا، ملک سے خیر سگالی کا جذبہ،سب کچھ آپس میں مل جل چکے تھے۔اس عظیم اجتماع نے وائرس پھیلنے میں حد درجہ سفاکی کی۔فلیڈلفیا، سپینش فلو کی گرفت میں آ گیا۔پریڈ سے اگلے چھ ہفتوں میں بارہ ہزار شہری مر گئے۔پنتالیس ہزار لوگ اس فلو کی بدولت بیمار ہو گئے۔اگلے سات مہینوں میں پانچ لاکھ لوگ اس بیماری کا شکار ہو گئے۔چند ماہ میں سولہ ہزار انسان زندگی کی بازی ہار گئے۔یہ صرف ایک شہر کی بات ہو رہی ہے۔پولیس اہلکار سینکڑوں کی تعداد میں بیمار ہو کر ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔اس زمانے میں فون ایکسچینج کے ذریعے استعمال ہوتے تھے۔تمام ٹیلیفون آپریٹر وائرس کی گرفت میں آ گئے۔پورے شہر کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ہر گھر میں موت رقص کرنے لگی۔فلیڈلفیا شہرِ خاموش ہو گیا۔مرنے والوں کیلئے اجتماعی

قبریں بننی شروع ہوگئیں۔

حالات کی زبوں حالی کا اندازہ لگایئے۔مسز اینڈرسن کے دو جڑواں بچے تھے۔ان میں سے ایک فلو کی بدولت چل بسا۔ماں نے اپنے بیٹے کیلئے الگ قبر کی درخواست کی۔مقامی انتظامیہ نے جگہ نہ ہونے کی بدولت علیحدہ قبر دینے سے انکار کردیا۔کسی کو بتائے بغیر مسز اینڈرسن نے اپنے دونوں بچوں کو گود میں لیا جس میں ایک زندہ اور دوسرا مردہ تھا۔کشتی میں بیٹھی اور نیوجرسی آ گئی۔کشتی میں کسی کو علم نہ ہوا کہ ایک مردہ بچے کو گود میں لیکر بیٹھی ہوئی ہے۔مسافر بچوں کے گال تھپتھپاتے تھے کہ ماشاءاللہ کتنے پیارے بچے ہیں۔کسی کے علم میں نہیں تھا کہ اس میں ایک بچہ زندہ نہیں ہے۔بحری سفر کے بعد،وہ ماں نیوجرسی پہنچی،جہاں شرح اموات کافی کم تھی۔وہاں اسے بچے کو دفنانے کیلئے علیحدہ قبر مہیا کی گئی۔یہ ہوتی ہے،وباء اور اگر احتیاط نہ کی جائے،تو کتنے خوفناک نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ایسے نتائج جو انسانی سوچ سے حد درجہ بالاتر اور سنگین ہیں۔یہ سب کچھ لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔آج کل ہر طرف کرونا کے متعلق لکھا اور بولا جارہا ہے۔لہذا اس میں کم از کم میری دلچسپی بہت کم ہوچکی ہے۔مگر یہ سب کچھ لکھنے کی اَشد ضرورت محسوس ہوئی۔بلکہ ایسے لگا کہ اس وقت یہ لکھنا ایک فرض کی ادائیگی ہے۔صرف ایک دن پہلے لاہور شہر میں بڑی شاہراؤں پر جانے کا اتفاق ہوا۔ذاتی وجوہات کے تحت باہر نکلنا کافی ضروری تھا۔گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ماسک پہنا۔ہاتھ صابن سے مل مل کر ایک منٹ تک دھوئے مگر جیسے ہی میں بیدیاں روڈ سے متصل ایک آبادی کی طرف گیا تو چودہ طبق روشن ہوگئے۔درجنوں ٹھیلے والے،کسی قسم کے حفاظتی انتظام کے بغیر بڑے اطمینان سے پھل فروخت کررہے تھے۔لوگ دستانے پہنے بغیر خریداری میں مصروف تھے۔ہزاروں موٹر سائیکل ہر طرف رواں دواں تھے۔اس پر سوار،مرد،عورتوں اور بچوں نے کسی قسم کے ماسک نہیں پہنے ہوئے تھے۔تقریباً تمام دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔بے دھڑک کاروبار ہورہا تھا۔گاڑیوں میں سوار لوگوں کی اکثریت کسی قسم کے حفاظتی انتظام سے مبرا تھی۔ایسے لگ رہا تھا کہ کرونا کی وباء صرف اور صرف میڈیا پر موجود ہے۔اس مہلک بیماری کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ہر طرف وہی اطمینان بخش افراتفری تھی جو لاہور شہر کا خاصہ ہے۔اسی دوران شہر سے متصل ایک کچی آبادی میں جانے کا اتفاق ہوا۔یہ بھی ڈیفنس لاہور سے تین چار منٹ کی مسافت پر تھی۔آبادی میں بھی وہی حال تھا جو باہر دیکھ کر آیا تھا۔ننگ دھڑنگ بچے خوب کھیل کود رہے تھے۔منیاری کے ٹھیلے،خریداروں کو گلیوں میں آوازیں دے رہے تھے۔لوگ کسی بھی ماسک یا حفاظتی انتظام کے بغیر بے فکری سے گھوم پھر رہے تھے۔گھروں کے باہر،معمول کے مطابق خواتین پوچا لگا رہی تھیں۔کورونا کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔حکومتی عملداری کا کوسوں تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔یقین فرمایئے۔پریشان ہوگیا۔تقریباً پورا شہر کھلا ہوا تھا۔وہی بے فکری،وہی اجتماعی بے نیازی،وہی لاپرواہی اور وہی معمول کی زندگی۔کسی قسم کا کوئی فرق محسوس نہیں ہوا کہ ہم ایک وباء کا سامنا کررہے ہیں۔جس میں جان تک جاسکتی ہے۔

لاہور شہر کی عرض کررہا ہوں۔پنجاب کے باقی شہروں میں کیا حال ہے کچھ نہیں کہہ سکتا۔باقی صوبے کیا کررہے ہیں۔اس پر بھی کوئی ذاتی رائے دینے سے قاصر ہوں۔کیونکہ صرف آنکھوں دیکھی بات ہی بیان کرسکتا ہوں۔بقیہ شہروں کے حالات،بہرحال وہاں کے شہری کم از کم مجھ سے بہتر بیان کرسکتے ہیں۔قیاس ہے کہ اگر صوبائی دارالحکومت میں اتنی دگرگوں صورتحال ہے تو باقی شہروں میں بھی یہی

حال ہوگا۔ یہاں تو پوری صوبائی حکومت بمعہ وزیراعلیٰ قیام پذیر ہے۔ اگر لاہور میں کسی قسم کا کوئی کنٹرول نہیں ہے تو باقی شہروں کے متعلق بات کرنا مکمل طور پر بیکار ہے۔ شائد ہمارے جیسے معدودے چند فیصد لوگ مکمل طور پر فارغ العقل ہیں کہ ہم تمام حفاظتی انتظامات کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ عام صابن سے بار بار ہاتھ دھوتے ہیں۔ باہر نکلتے وقت ماسک اور دستانے پہننے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے گھر میں بھی فاصلہ رکھ کر بیٹھتے ہیں۔ ہاں، اگر کسی سے ملنا پڑے تو ہاتھ نہیں ملاتے۔ صرف تعظیم کیلئے جھک جاتے ہیں۔ ایسے لگ رہا ہے کہ میرے جیسے چند فیصد لوگ جو کرونا کی مہلک وباء کو سنجیدہ لے رہے ہیں، اَز حد غیر سنجیدہ لوگ ہیں۔ عام انسان کو تو کوئی پرواہ ہی نہیں۔ کون سا کرونا، کون سی وباء اور کیسی حفاظت!

مگر ایک اندیشہ لاحق ہو چکا ہے۔ جس طرح 1918 میں فلیڈلفیا کی انتظامیہ نے حفاظتی انتظامات کی بھد اُڑائی تھی۔ جیسے انہوں نے ایک عظیم الشان پریڈ منعقد کی تھی۔ کسی خوف کے بغیر، جذبہ حریت کے تحت حد درجہ پُر اعتماد نظر آنے کی کوشش کی تھی۔ کہیں ہم اس راہ پر گامزن تو نہیں ہو گئے۔ آج سے ٹھیک ایک سو دو برس پہلے جو امریکی ڈاکٹر منتیں کر کر کے بتا رہے تھے کہ اجتماعات پر پابندی لگنی چاہیے۔ میل جول ہر قیمت پر بند ہونا چاہیے۔ انسانوں کے درمیان فاصلہ برقرار رہنا چاہیے۔ مجھے تو ایک صدی پرانی کہی ہوئی باتوں پر نہ اس وقت کے لوگ عمل پیرا نظر آئے تھے اور معاف کیجئے، نہ اب نظر آ رہے ہیں۔ حکومت کے پاس حد درجہ اختیارات ہوتے ہیں۔ قانون کا ڈنڈا ابھی حکومت وقت کے پاس ہوتا ہے۔ پھر یہ سب کچھ وقوع پذیر کس کی اجازت سے ہو رہا ہے۔ کدھر ہے وہ انتظامی طاقت جو لوگوں کو قانونی طریقے سے پابند کرے کہ انہوں نے ہر قیمت پر حفاظتی انتظام کرنے ہیں۔ مگر مجھے تو ایسا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔ مجھے تو ایک صدی پہلے، جو بے فکری فلیڈلفیا میں تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر کم از کم لاہور میں نظر آ رہی ہے۔ یقین سے عرض کر سکتا ہوں کہ ہم کرونا کی وباء کا موثر مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ بلا ابھی ٹلی نہیں ہے۔ جس لاک ڈاؤن کا ذکر حکومت تواتر سے کر رہی ہے، وہ تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ مگر یہاں تو ہم ایمان کی جذبہ حرارت سے معمور ہیں۔ بھلا ہمیں اس وباء نے کیا نقصان پہنچانا ہے۔ دراصل پاکستان میں کرونا آیا ہی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہنود و یہود کی پھیلائی ہوئی افواہیں ہیں! کون سا کرونا؟

راؤ منظر حیات